ضیغمِ احرار......شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ

قائد احرار شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ ان یادگارِ زمانہ لوگوں میں سے تھے جنہیں مجلس احرار جیسی عظیم جماعت کی تاسیس وتعمیر میں بنیادی پتھر اور اس کے بانی ہونے کا قابلِ صد فخر مقام حاصل ہوا اور اس کی تجدید وتزئین کے لئے پختہ کاری و چہرہ آرائی کی بڑی ذمہ دارانہ حیثیت نصیب رہی۔ چنانچہ سیدنا امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے منہ بولے چھوٹے بھائی، سعادت مند، اطاعت شعار، وفادار اور چہیتے رفیقِ زندگی کے طور پر چالیس سالہ اجتماعی جدوجہد کے انقلابی وطوفانی دور میں ہر مدوجزر کے وقت تادمِ آخر انہیں یہ مرکزی حیثیت برابر حاصل رہی۔

اصل وطن: آپ کے آباؤ اجداد سری نگر (کشمیر) کے مضافات سے امرتسر آئے، وہاں پشمینہ کا کاروبار شروع کیا تجارت سے معاشی حالت مستحکم تھی اور خاندان معزز و باوقار تھا۔

والدین: آپ کے والد ماجد شیخ عزیز الدین مرحوم یو۔ پی کی ایک ریاست پیاگ پور میں بہ طور وزیر مقرر تھے۔ چنانچہ جب آپ کے بڑے بھائی شیخ غلام مصطفیٰ مرحوم کی شادی کی تقریب ہوئی تو مہاراجا خود شامل بارات ہوا اور امرتسر سے لاہور تک ایک اسپیشل گاڑی چلی تھی یہ شادی تکیہ سادھواں میں ڈاکٹر محمد دین کے گھر ہوئی تھی جو ''انجمن حمایتِ اسلام لاہور'' کے بانیوں میں تھے اور اسکے فنانشل سیکرٹری تھے۔

پیدائش اور تعلیم: شیخ صاحب ۳۰۔ ذوالحجہ ۱۳۱۴ھ مطابق یکم جون ۱۸۹۷ء بروز منگل امرتسر میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید کی تعلیم محلّہ کی مسجد کے ایک بزرگ سے حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم ''گرو کی نگری'' میں اور ۱۹۲۰ء میں خالصہ کالج امرتسر سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ کالج کے زمانہ سے ہی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔

سیاست میں شمولیت: جب گاندھی نے افریقہ سے واپس آکر ہندو مسلم اتحاد کی تلقین شروع کی تو آپ نے سب سے پہلے کالج میں یہ تحریک چلائی۔ پھر اگست ۱۹۱۸ء میں انگریز نے جو مظالم توڑے، ان کے لیے احتجاجاً رولٹ ایکٹ کے خلاف پہلی آل انڈیا ہڑتال کرانے میں پیش پیش تھے۔ جب اس تحریک نے عوامی رخ اختیار کیا تو ہندوستان کی مخصوص فضاء میں یہ پہلا موقع تھا کہ غیر مسلم رہنماؤں نے مساجد میں آکر مسلم اکابر کے دوش بدوش عوام سے خطاب کیا۔ اس سلسلہ میں مسجد خیر الدین امرتسر میں ایک جلسہ ہوا۔ جس میں ہندو مسلم اور سکھ جمع ہوئے تو شیخ صاحب امرتسر کی والنٹیر کور کے انچارج تھے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''۱۹۱۸ء میں مہاتما گاندھی نے ''رولٹ بل'' کے خلاف تحریک کا آغاز کیا اور انگریزوں کی بدعہدی کے خلاف ملک کے گوشے گوشے میں احتجاج کا آغاز ہوا۔ ہندو اور مسلمانوں نے ہڑتالوں اور جلسوں

کی صورت میں احتجاج کا غلغلہ بلند کیا۔ میں ان دنوں خالصہ کالج امرتسر میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ اتحاد باہمی کا یہ عالم تھا کہ ہندوؤں تک نے مساجد میں تقریریں کیں اور آزادئ وطن کی جدوجہد میں انقلاب انگیز قدم اٹھایا۔''

(کتاب ''غبارِ کارواں'' مضمون ''بخاری کی باتیں'' ص ۵۸)

تصنیفی وتالیفی خدمات: حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اصطلاحی طور پر مصنف ومؤلف نہ تھے، البتہ فطری استعداد، علم دوستی، ادب وانشاء سے والہانہ ربط ودلچسپی، ذوقِ شعر وسخن فہمی، وسیع مطالعہ ومشاہدہ، ربع صدی پر محیط دینی وقومی اور ملکی معاملات میں تلخ وصبر آزما سیاست کا عملی تجربہ اور سب پر مستزاد اپنے عہد کے جید علماء وصلحاء اور آزمودہ کار احباب وقائدین کی شفقت وبرکت آمیز صحبت وتربیت' ان اجزاء وعناصر نے انکی طبیعت اور مزاج کو تصنیف وتالیف اور ترجمہ کے فن سے بہت مانوس وقریب کر دیا تھا۔ لیکن ہر لحظہ کی پرخطر انقلابی زندگی کے بے پناہ مشاغل کے سبب انہیں یک سوئی اور استقلال کے ساتھ اس فن کے مقتضیات پورے کرنے کی مہلت نہ مل سکی۔ تاہم اس افراتفری میں بھی ان کے قلم سے چند ایک قابل قدر اور مفید چیزیں ضبطِ تحریر میں آ گئیں۔ مجلس احرار اسلام کے اصول ومقاصد اور جدوجہد آزادی کے دوران اس کے مثبت لائحۃ العمل کے اظہار کے لیے مختلف مواقع میں آپ کے چند ایک خطبات، بہت سی تقاریر اور متعدد بیانات کا مطبوعہ وغیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے۔ ان کی یہ تحریرات قومی نفسیات پر ان کی گہری نگاہ، فرنگی کی عیارانہ ڈپلومیسی، نیز اس کے ہندو مسلم گماشتوں اور ملت ووطن دشمن رجعت پسند تحریکات کے پس منظر سے آگاہی' خصوصاً بین الاقوامی سیاست سے غیر معمولی شغف اور اس پر ماہرانہ عبور، وطن عزیز اور عالمِ اسلام کے مستقبل پر یہود ونصاریٰ اور دھریوں کے بے پناہ روز افزوں اقتدار اور تسلط کے اسباب وعلل کا عارفانہ شعور اور ان سب باتوں میں اپنے جماعتی موقف کے دلائل کے مبصرانہ استحضار کا عکس جمیل ہیں۔

ایسے ہی ربع صدی میں مجلس احرار اسلام کی مرکزی عاملہ ومجلس مندوبین (جنرل کونسل) کے اجتماعات میں ان کی مرتبہ اکثر وبیشتر قراردادیں حضرت شیخ صاحب کی فکری پختگی اور سیاسی بصیرت کے تجزیہ کے لئے بہترین معیار ومیزان کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک فرنگی مصنف مسٹر ایڈورڈ ٹامسن کی اہم سیاسی کتاب " The Other Side Of The Medal" کا اردو ترجمہ بنام ''انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ'' شیخ صاحب کے قلم سے ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔

پچاس سال پہلے روس کے خالص مادہ پرستانہ فکری بغاوت اور عالمی سطح پر انتہائی موثر وخطرناک دہریت واباحیت آمیز اشتراکی انقلاب برپا ہونے کے وقت روس میں ایک غیر ملکی مبصر مقیم تھا۔ اس نے داستانِ انقلاب کو ایک ضخیم اور زبردست تاریخی وسیاسی تالیف میں جمع کیا تھا۔ اس کا دو جلد میں معنی خیز، شستہ وشگفتہ اور سلیس ورواں غیر مطبوعہ اردو ترجمہ، ان کی زبان دانی، انگریزی پر عبور، انشائی صلاحیت، مقصودِ مصنف اور کتاب کے موضوع ومضمون کے صحیح فہم

واحساس، اس کی کامیاب عکاسی اور بھرپور ترجمانی کا بہترین شاہکار تھی۔

علالت: حضرت شیخ صاحب مرحوم رمضان ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء میں پرانے اور مُزمن دمہ کے مسلسل اور خطرناک دوروں کی زد میں آ گئے۔ عمر طبعی بھی گزر چکی تھی۔ اکہتر سال کے پیٹے میں تھے۔ چونکہ صاحب عزیمت، باحوصلہ اور بے انتہا شجاع و جری تھے، اس لیے برداشت کرتے رہے۔ لیکن حقیقتاً اب اُن کی صحت گرتی ہوئی دیوار تھی۔ عمر اور مرض کے فطری تقاضا کے مطابق ان کی جسمانیت بالکل کھوکھلی اور متزلزل ہو چکی تھی۔ اسی سال ذوالحجہ میں، میں جماعت احرار کی تنظیم جدید کے سلسلہ میں راولپنڈی سے لاہور آیا۔ ملاقات ہوئی تو میں نے محسوس کیا کہ وہ اب چند روزہ مہمان ہیں۔ تاہم آدابِ عیادت کے مطابق تسلی و تشفی کے کلمات کہے۔ صحت و عافیت اور خیر و برکت کی دعا کی۔ سہ ماہی جماعتی کارروائی کی تفصیلات پیش کیں۔ جواباً آپ نے نئے دستور کے مطابق ابتدائی رکنیت و معاونت سے لے کر مرکزی انتخابات تک تمام کارروائی جلدی مکمل کرنے کی تاکید فرمائی۔ ضروری ہدایات دیں۔ میری ناچیز سعی و خدمت کی تحسین و حوصلہ افزائی اور کامیابی کی دعا فرمائی۔

اُن کی تحریروں کا مجموعہ جو ابتداً حضرت شیخ صاحب کے چار سیاسی اور تحریک خلافت کے متصل بعد سے تحریک ختم نبوت تک مجلس احرار اسلام کی بنیادی تاریخ کے تدریجی مراحل کے تحقیقی بیان اور تجزیہ پر مشتمل تھا اور اسے صرف آپ کے ایک مجموعۂ مضامین کی حیثیت سے ہی شائع کرنا مقصود تھا۔ میں نے اس وقت انہی چار مضامین کو مختلف جرائد و رسائل سے حاصل اور مرتب کر کے کتابی شکل میں اشاعت کی تجویز عرض کی تو سن کر بہت خوش ہوئے اور اس مجموعہ کو جامع بنانے کی غرض سے اپنے سن وار سوانح کی ضروری تفصیلات بھی لکھوائیں لیکن اپنے احوال و عوارض کے احساس سے اندازِ گفتگو بہت سمٹا سمٹایا اور تفکر میں ڈوبا ہوا تھا۔ چنانچہ میرے عزم و نیت اور تجویز و ترتیب کے مطابق یہ مجموعہ ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ مارچ ۱۹۶۸ء میں پہلی بار میرے ہی مجوزہ عنوان ''غبارِ کارواں'' کے نام سے شائع ہوا اور تنظیم جماعت کے دائرہ سے باہر بھی ہر حلقہ میں پسندیدہ اور مقبول ہوا۔

انتقال: قائد مرحوم کی یہ کیفیت دیکھ کر میرا خدشہ یقین سے بدلنے لگا۔ بہرکیف دعا مانگتے ہوئے واپس ملتان چلا آیا۔ پونے دو ماہ کے وقفہ سے جماعتی سلسلہ میں ہی دوبارہ سفر ہوا تو سیالکوٹ، گوجرانوالہ سے واپسی پر پھر ملاقات ہوئی حالت بدستور تھی، ان کی خاطر سے دو تین روز قیام ہوا پھر دھڑکتے دل سے واپسی ...... اور افسوس کہ یہ ملاقات زندگی میں آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ ۱۲؍ربیع الاوّل ۱۳۸۷ھ ۲۱؍جون ۱۹۶۷ء بدھ کے مبارک اور تاریخی دن میں دمہ کا ایک شدید دورہ ہی جان لیوا ہو گیا۔ جیسے کیسے نماز فجر ادا کی اور ذکر الٰہی کرتے ہوئے انتقال فرما گئے۔ ہمارے قدیم اور گہرے ذاتی و جماعتی مراسم کی ایک داستان ختم ہو گئی اور بڑی حسین و جمیل آرزوؤں کے تانے بانے بکھر کر رہ گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا زاہد الراشدی